R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۴ - شمارہ ۲۴ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ جون ۱۹۶۵ء

اداریہ

لسانی فارمولا اور سنسکرت

ہم عرصے سے یہ کہہ رہے ہیں کہ سہ لسانی فارمولے کے تحت سنسکرت کی تعلیم غلط ہے۔ جب ۱۹۶۳ء میں مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم نے پنڈت جواہر لال نہرو کو بستر مرگ سے اس مسئلے کی طرف توجہ دلائی تھی تو پنڈت جی نے بھی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اس فارمولے کے تحت تیسری زبان کے طور پر کسی جدید ہندوستانی زبان کو شامل کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اس وقت کے وزیر تعلیم ڈاکٹر شریمالی کی صدارت میں ریاستوں کے تعلیم کے وزیروں کی ایک کانفرنس میں بھی یہی طے ہوا تھا اور اس فیصلے کے وقت اتر پردیش کے وزیر تعلیم بھی موجود تھے۔ مگر اتر پردیش اور دوسری ریاستوں میں عمل اس کے برعکس ہوا۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ تیسری زبان کے طور پر اقلیتوں کی مادری زبان اور جنوبی ہند کی زبانوں کی تعلیم کا انتظام ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ بہرحال خوشی کی بات ہے کہ اب مرکز اس سلسلے میں ایک اقدام کر رہا ہے۔ ہندی کے ساتھ انگریزی کو شریک زبان کی حیثیت سے اس وقت تک رکھنے کا فیصلہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کر چکی ہے جب تک جنوبی ہند کی ریاستیں ہندی پر رضامند نہ ہو جائیں۔ دوسرے یہ بھی طے ہوا ہے کہ سبھی چودہ زبانوں کو مرکزی پبلک سروس کمیشن کے انتخابات کا ذریعہ بنایا جائے گا۔ دیکھنا ہے کہ اس میں اردو کا نمبر کب آتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم تک کا ذریعہ رہ چکی ہے اور اس میں ترجموں اور تصانیف کے ذریعے خاصا علمی لٹریچر موجود ہے۔ اس لیے اردو کو آسانی سے امتحانات کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ تیسرے یہ بھی طے ہوا ہے کہ سہ لسانی فارمولے کے مناسب نفاذ پر مرکز پوری توجہ کرے تاکہ قومی یکجہتی کو فروغ ہو سکے۔ اس سلسلے میں حال میں اخبار میں جو اعلان ہوا ہے اس میں صاف کہا گیا ہے کہ اگرچہ سنسکرت دستور کے آٹھویں شیڈول کے مطابق چودہ زبانوں میں ہے مگر سہ لسانی فارمولے کے لیے اسے شامل کرنا مناسب نہ ہوگا بلکہ ہندی ریاستوں میں کوئی جدید ہندوستانی زبان اور غیر ہندی ریاستوں میں ہندی پڑھانا زیادہ مناسب ہوگا۔ لسانی اقلیتوں کے لیے اس طرح ہندی کی ریاستوں میں اپنی مادری زبان کی تعلیم حاصل کرنا آسان ہو جائے گا مگر جنوبی ہند میں اور پنجاب اور بنگال میں علاقائی زبان، ہندی، انگریزی اور مادری زبان اس طرح چار زبانیں پڑھنی پڑیں گی۔ ہمیں امید ہے کہ جہاں یہ مجبوری ہو وہاں لسانی اقلیتیں چار زبانیں پڑھنے پر خوشی سے تیار ہوں گی کیونکہ نہ تو وہ اپنی مادری زبان کو چھوڑ سکتی ہیں نہ انھیں علاقائی زبان سے غفلت برتنا چاہیے، نہ انگریزی سے اور نہ ہندی سے۔ بہرحال اتر پردیش کی حکومت کو چاہیے کہ وہ جولائی سے تمام ریاست میں اردو اور دوسری جدید ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کا انتظام کرے اور اردو دوستوں کو اس سلسلے میں اپنے اپنے حلقے میں تعلیمی افسروں کے پاس جا کر اردو کی تعلیم کا انتظام کرانا چاہیے۔ یہ بنیادی کام ہے اور اس میں کسی

اس شمارے میں

طرح کی ڈھیل ڈھال نہیں ہونی چاہیے۔ مرکز کو بھی چاہیے کہ وہ قومی یکجہتی کی خاطر ریاستوں سے سہ لسانی فارمولے کا صحیح نفاذ کرائے۔

سیر بین

برطانیہ کی لیبر وزارت ضرور اس ملک کا بیڑا غرق کر دے گی حد ہو گئی کہ ابکی ملکہ کی سالگرہ کے خطابات کی فہرست میں کچھ ایسے ادیبوں اور شاعروں کے نام بھی ہیں جو نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے خیالات کی وجہ سے (BEATLES) کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ ایک طرح کے باغی ہیں اور ادب، تہذیب، اور اخلاق کے متعلق عجیب و غریب نظریات رکھتے ہیں ایک حلقے میں جو سنسنی خیزی کو پسند کرتا ہے مقبول بھی ہیں۔ ابکی فہرست میں ان میں سے چند کو ایم۔ بی۔ ای۔ کا اعزاز دیا گیا ہے۔

اس پر کچھ پرانے لوگوں نے اپنے خطابات اور اعزاز ملکہ کو واپس کرنے شروع کر دیے ہیں۔ اب تک چھ افراد ایم۔ بی۔ ای۔ کا اعزاز واپس کر چکے ہیں۔ ایک بوڑھے کرنل نے تو کمال کر دیا۔ انھوں نے نہ صرف اعزاز واپس کیا بلکہ اپنی وصیت میں جو روپیہ لیبر پارٹی کے لیے رکھا تھا وہ بھی کاٹ دیا۔ چلیے ابھی کچھ مزے دار لوگ تو دنیا میں باقی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہیرلڈ ولسن کی شامت آگئی ہے جن کو صرف چار کی اکثریت سے برسر اقتدار ہیں اور انگلستان جیسے قدامت پرست ملک کو اس قدر روشن خیال بنانا چاہتے ہیں کہ (BEATLES) جیسے سر پھروں کا بھی حکومت کی طرف سے اعزاز کر رہے ہیں۔ انھیں غالباً اس کا احساس ہو گیا ہے کہ ان کی حکومت اکتوبر سے آگے نہیں چلے گی اس لیے جب تک سورج چمک رہا ہے وہ اپنی فصل تیار کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

شکر ہے کہ یہ وبا ابھی ہمارے ملک تک نہیں پہنچی ہماری نسل ابھی صرف ہر قسم کے پروپیگنڈے کے خلاف ہے اور اپنے جذبات کو بے دھڑک بیان کرنے پر مصر — مغرب میں تو کسی نے کوئی حد باقی نہیں رکھی۔

آج کل موسم کی سختی نے دوسری تکلیفوں کو دبا لیا ہے۔ گرمی کا تذکرہ ضروری ہو گیا ہے۔ آج ٹمپریچر ۱۰۵ ہے، ایک دفعہ ۱۱۴ ہو گیا تھا۔ بہار میں سو سے اوپر آدمی لو سے مر گئے۔ ہر شہر میں کچھ لوگ لو سے مر رہے ہیں۔ سورج دیوتا اپنا جلال دکھا رہے ہیں اور پہاڑوں اور ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر شمالی ہند میں قیامت مچی ہوئی ہے۔ اسی بھٹی میں تپ کر ہندوستان کندن ہوتا ہے اور اسی موسم میں آم گھری ہری پتیوں کے پس منظر میں اپنی مخصوص رعنائی کے ساتھ دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ اسی میں کوئل کوکتی ہے اسی میں پسینے کے ساتھ جسم کی بیماری ہی نہیں روح کے امراض بھی دور ہو جاتے ہیں۔

سہ لسانی فارمولے کے تحت سنسکرت کی تعلیم ممکن نہیں

نئی دہلی۔ ۱۷ رجون۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کی مسئلہ زبان سے متعلق قرارداد کے نفاذ کے لیے حکومت ہند نے کئی اقدامات کیے ہیں۔ چنانچہ وزارت داخلہ نے جو آل انڈیا سطح پر مسئلہ زبان پر ربط کے سلسلہ ذمہ دار ہے ایک اسپیشل افسر کا تقرر کیا ہے اس قرارداد کی منظوری کے بعد حکومت ہند کے سامنے اہم سوال سہ لسانی فارمولے کے نفاذ کا ہے۔ اگرچہ فارمولا ۱۹۵۰ء میں تیار کر لیا گیا تھا لیکن اس کا نفاذ متعدد ریاستوں میں غیر تسلی بخش ہے۔ حالیہ غور و فکر کے بعد چند نتائج اخذ کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگرچہ سنسکرت دستور کی آٹھویں شیڈول میں شامل ہے لیکن سہ لسانی فارمولے کے تحت اس کی تعلیم نہیں دی جا سکتی ایسا کرنے سے اس فارمولے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا آئندہ اس بات پر زور دیا جائے گا کہ ہندی ریاستوں میں کوئی ایک جدید ہندوستانی زبان پڑھائی جائے جبکہ غیر ہندی ریاستوں میں گریجویٹ کی سطح تک ہندی میں تعلیم ہوگی۔ دوسرے ملکوں میں تربیت استادوں کی فراہمی کا مسئلہ بھی اہم ہے۔ ٹیچروں کو تربیت دینے پر خاص توجہ ہونی چاہیے کیونکہ یونین پبلک سروس کمیشن میں آٹھویں شیڈول کی تمام زبانوں کو ذریعہ امتحان بنانے سے پیدا شدہ حالات پر بھی غور کیا جائیگا۔ (الجمعیۃ دہلی)

ڈاکٹر فاطمہ شجاعت کا امریکہ میں مہمان لکچرار کی حیثیت سے تقرر

یونیورسٹیوں میں مہیا دلائی پروگرام کے تحت متحدہ امریکی ممالک کے دو فنی کالجوں میں سماجیات کی تعلیم و تدریس کے لیے ڈاکٹر فاطمہ شجاعت کا تقرر کیا گیا اور وہ عنقریب نیویارک روانہ ہونے والی ہیں۔

اپنے فرائض کے علاوہ موصوفہ امریکہ کی تمدنیاتی تحلیل اور سماجیاتی نظریوں پر بکیجیں کچھ دلچسپی سماج کاری اور رفاہ کاری میں ڈپلوما حاصل کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر فاطمہ شجاعت کا جب سویڈن میں قیام تھا تب بھی آپ نے سماجیاتی سمینار میں حالی کے سماجی تخیل پر مقالہ پڑھا تھا۔ اسی موضوع پر ڈاکٹر صاحبہ کا ایک مضمون آزاد ہند یاتھ "ہمارا" ہی انگریزی ماہنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ (نامہ نگار)

محمد انصار اللہ نظر

معینی کتب خانہ کی چند کتابیں

(اردو خاک پاک ہند سے پیدا ہوئی، یہیں کی آب و ہوا میں پروان چڑھی، ملک کے چپہ چپہ پر اس کے اثرات مرتب ہوئے ہر شہر میں عجیب علم دوست اشخاص نے زندگی بسر کی لیکن افسوس ہے کہ زمانے نے اکثر کو فراموش کر دیا بعض خوش قسمت تھے کہ ان کے ورثا نے ان کے بعد ان کے ذخیرہ کتب کو محفوظ رکھا،

اجمیر شریف کی شہرت حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے نسبت کے سبب ہے اور حق یہ ہے کہ حضرت کے فیوض جاری ہے عقیدت مند آج بھی مالا مال ہیں لیکن درگاہ شریف کے وابستگان کی علمی خدمات بھی ایسی نہ تھیں کہ ان کو یوں فراموش کر دیا جاتا اس اطلاع سے خوشی ہوئی کہ صاحبزادہ سید فضل المتین شعرائے اجمیر کا ایک مبسوط تذکرہ مرتب کر کے عنقریب شایع کرنا چاہتے ہیں لیکن کتابوں کا جو بے مثل ذخیرہ انھیں اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے اس کی فہرست کی اشاعت کا کام بھی کچھ اہم نہیں اسی طرح شاہان سلف کے فرامین، امرا اور روسا کے وکالت نامے اور دوسری تحریریں بھی علمی ادبی کے علاوہ تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اور ان کی فہرستوں کی اشاعت بھی افادیت سے خالی نہیں۔

پچھلے دنوں مجھے اجمیر شریف جانے کی سعادت حاصل ہوئی، صاحبزادہ سید فضل المتین صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، موصوف نے نہایت خلوص کے ساتھ مجھے اپنے ذخیرہ کتب سے استفادہ کا موقع دیا، دوران مطالعہ میں نے جو یادداشتیں تیار کی تھیں ان کی بنیاد پر چند کمیاب کتب کا تعارف سطور ذیل میں کراتا ہوں۔ میں فضل المتین صاحب کا اس لیے اور بھی شکر گزار ہوں کہ میرے کہنے سے موصوف اپنے ذخیرہ کتب (معینی کتب خانہ اجمیر) کی تفصیلی فہرست شایع کر دینے کے لیے تیار ہو گئے ہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ ایک قابل قدر اور مفید کام ہوگا)

---

(۱) کلیات ترکی (فارسی)، داغ اور ظہیر کے معاصر ترکی علی شاہ ترکی صاحب تصانیف کثیرہ بزرگ تھے، متعدد اساتذہ وقت مثلاً صہبائی، ذوق، رشک وغیرہ سے فیض حاصل کیا فارسی شاعری سے خاص دلچسپی تھی چنانچہ شعرائے فارسی کا ایک تذکرہ سخنوران چشم دیدہ کے نام سے لکھ کر چھپوایا، ان کے کلیات فارسی کا ایک نسخہ کتب خانہ معینی اجمیر میں محفوظ ہے۔ نسخہ ناقص الاول ہے، آخر میں مصنف کے حالات لکھے ہیں، تعارف اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"نامش ترکی علی شاہ ترکی تخلص مولدش شہر نور محل از نواحی پنجاب است" (ص۱۱)

اس کلیات میں ایک قطعہ درجواب ضامن شاعرؔ مندرج ہے یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے:-

ای کہ گوئی بلفظ خان خاناں | کردہ از غلط الف را دور
گرچہ از عرفیت شد دادم | لیکن آں ہم نکردہ منظور
لفظ تاتار را ترسہ جائی | کردہ سعدی بگلستاں مذکور

این ہم از جہل باورت گرنیست
ہست طبع و تیغ مرا چہ قصور (ص۲۱)

تعجب ہے کہ سخنوران چشم دیدہ میں ترکی نے ضامن کا ذکر بہت احترام کے ساتھ کیا ہے۔

(۲) رسالہ عالم افروز معروف بہ بدر حسین، یہ بھی ترکی کی تصنیف ہے، اور ان کے کلیات فارسی میں شامل ہے اس کی شمولیت کے بعد کلیات کی ضخامت ۲۷۶ صفحات کی ہے۔

(۳) سرور الناظرین، سرورق پر مصنف کا نام اس طرح لکھا ہے۔ "مولوی ترک علی شاہ ترکی نور محلی مخاطب بہ امیر الشعراء" معلوم نہیں کہ ان کو یہ خطاب کس نے اور کب عطا کیا؟ سرور الناظرین ۱۳۱۵ھ میں مطبع خورشید عالم میں چھپا، ضخامت ۲۸ صفحات کی ہے۔

(۴) ترجمہ منظوم رامائن موسوم بہ فرخ نامہ از ترکی مطبوعہ امانت پریس حیدرآباد (دکن) بہ اہتمام محمد نادر علی برترؔ۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ بعض کم نظروں کو شکایت ہے کہ اردو والوں نے ہندوستان کے اکثریتی طبقہ کی نمایندگی نہیں کی، ظاہر ہے کہ یہ نہایت لغو اور بے بنیاد بہتان ہے، ترکی کے علاوہ متعدد اساتذہ ادب نے نہ صرف اردو بلکہ فارسی میں بھی اپنے ہم وطنوں کے معتقدات سے متعلق خاصے اہم کام کیے ہیں۔

نادر علی برترؔ کا سلسلۂ تلمذ غالبؔ اور ذوقؔ تک پہنچتا ہے، ان کے حالات "ہماری زبان" میں شایع ہو چکے ہیں، راقم سطور کے پاس بھی ان کی چند غزلیں (غالباً غیر مطبوعہ) ان ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہیں، فرخ نامہ کے سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امانت پریس میں مہتمم کے فرائض ادا کرتے تھے۔ فرخ نامہ کی ضخامت ۲۳۲ صفحات کی ہے اس کی طباعت کا قطعہ تاریخ ظہیر دہلوی نے (۱۳۰۳ھ) کہا جو اس میں شامل ہے، سخنوران چشم دیدہ اور مکاتیب داغؔ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی اور ظہیر میں سخت چشمک تھی، اس کے باوجود ظہیرؔ کا یہ قطعہ کہنا عجیب ہے۔

(۵) انتخاب دیوان سعدی۔ اردو کے مشہور تذکرہ نویس منشی کریم الدین پانی پتی نے علاوہ تین تذکروں کے کئی اور کتابیں بھی تصنیف اور تالیف کیں، دیوان سعدی کا بھی انھوں نے انتخاب کیا،

سرورق کی عبارت یہ ہے:

"انتخاب دیوان سعدی حسب الحکم کپتان فلر صاحب بہادر ڈایرکٹر آف پبلک انسٹرکشن مدارس پنجاب وغیرہ کے مولوی کریم الدین سررشتہ دار محکمہ مذکور نے ۱۸۶۳ء میں کی۔ مطبع پنجابی لاہور میں باہتمام مسٹر کینڈی صاحب مینیجر و منشی محمد عظیم مالک مطبع کے بماہ مئی ۱۸۶۳ء چھاپا گیا۔"

کتاب ایک ہزار کی تعداد میں چھپی، مقدمہ میں خود کریم الدین لکھتے ہیں:

"دریں ایام کپتان فلر صاحب بہادر .... بندہ کمترین کریم الدین را اشارتی فرمودند کہ دیوان سعدی را انتخاب کردہ طبع کنانم بندہ حسب الحکم کمر اطاعت بربستہ قصاید فارسیہ و کتاب طیبات را انتخاب کردہ داشت و طبع کرانیدہ داد تفظ تمت" (علم)

آخر کتاب میں محمد لطیف طالب علم گورنمنٹ اسکول لاہور خلف الصدق منشی محمد عظیم صاحب مالک مطبع پنجابی لاہور نے قطعہ تاریخ کہا جس سے ۱۲۷۹ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں، کتاب کی ضخامت ۴۸ صفحات کی ہے۔

(۶) مثنوی گلزار ارم۔ کتاب کے خاتمہ کی عبارت یہ ہے۔

"الحمد للہ کہ مثنوی گلزار ارم تصنیف میر حسن دہلوی در مطبع احمدی غلام احمد صاحب واقع میرٹھ قریب شاہ پیر دروازہ باہتمام امو جان بتاریخ بستم رمضان المبارک ۱۲۸۱ھ صورت انطباع یافت"

کتاب ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کے آخری صفحہ پر غزلہائی استاد ابراہیم ذوق مرحوم کہ تازہ از دوستی (رکذا) بہم رسیدہ بھی تحریر ہیں جن کی غزلیں یہ ہیں:

(۱) الٰہی کس سے کہہ کہہ دو زرا تجھ کے وا ٹس نے کشتی ہے

(۲) زخم دل پر کیوں مرے مرہم کا استعمال ہے

امو جان کے اہتمام سے "نگارستان سخن" بھی شایع ہوئی جس میں ذوق کی کئی ایسی غزلیں تحریر ہیں جو ان کے دیوان میں شامل نہیں ہیں، اس کے علاوہ دیوان ذوق بھی انھوں نے شایع کیا، انھیں استاد ذوق سے خاص عقیدت معلوم ہوتی ہے اور غالباً یہی سبب ہے کہ انھوں نے گلزار ارم کے خاتمہ پر بھی استاد کی غزلیں تحریر کردیں۔

(۷) محامد النبی فی احوال السید الامی۔ یہ کتاب ۱۸۸۴ء مطابق ۱۳۰۲ھ میں لکھی گئی اور مطبع نولکشور لکھنؤ سے چھپ کر شایع ہوئی، اس کے مصنف محمد حامد علی بن شاہ محمد علی محدث لکھنوی ہیں، کتاب کی تقریظ چند لوگوں نے لکھی ان میں ایک یہ ہے:

"تقریظ دلپذیر واقف علوم دینی و دنیوی صدر نشین ارباب ذی شعور مولوی عبد الغفور واعظ لکھنوی مسجد ٹکسال نبیرہ حافظ وارث علی صاحب مرحوم و مغفور"

حافظ وارث علی کی شخصیت اپنے زمانے میں خاصی اہم معلوم ہوتی ہے، شیخ امام بخش ناسخ نے ان ہی سے کتب مذہبی کی تحصیل کی ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے بہرحال حافظ وارث علی کا عقیدہ اس سے ظاہر ہے کہ کتاب محامد النبی پر انھوں نے تقریظ لکھی اور اس کتاب میں "آیات و احادیث کہ در شان حضرت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم وارد شدہ اند" بھی تحریر ہیں، حافظ صاحب سے تعلیم حاصل کرنا ناسخ کے مسلک کو سمجھنے کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔

(۸) تذکرہ علماء۔ شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد کی شخصیت کو اردو زبان و ادب کے سلسلہ میں خصوصی امتیاز حاصل ہے، ان کی تصانیف میں تذکرۂ علما بھی ہے جو کمیاب ہے اس کی ضخامت ۷۱ صفحات اور سائز ۴½×۶½ انچ کی ہے۔ کتاب کریمی پریس لاہور میں ۱۹۲۲ء میں چھپ کر شایع ہوئی اس میں مسعود سعد بن سلمان لاہوری، شیخ سعد الدین خیرآبادی، شیخ ابو الفضل فیضی وغیرہ کے حالات مختصراً تحریر کیے گئے ہیں آغا طاہر اور خواجہ حسن نظامی نے بھی اس کتاب سے متعلق چند باتیں قلمبند کی ہیں۔

(۹) کلیات جعفر زٹلی۔ جعفر زٹلی کو اردو شاعری میں جو شہرت حاصل ہے محتاج بیان نہیں مولانا محمد حسین آزاد نے ان کو شمالی ہند کا پہلا اردو شاعر کہا ہے۔ ان کا کلیات "باہتمام کپتان مقبول الدولہ مرزا محمد مہدی علی خاں بہادر قبول پیچ کلاں کوٹھی مطبع علی بخش خاں کے چھپا" اس مطبع سے متعدد علمی اور ادبی کتب چھپ کر شایع ہوئی ہیں۔

(۱۰) دیوان جرأت (قلمی)۔ شیخ قلندر بخش جرأت کی استادانہ حیثیت مسلم ہے، خصوصاً لکھنؤ کے ماحول پر وہ کچھ اس طرح حاوی تھے کہ بڑے سے بڑے استاد کی بھی ان کے آگے نہ چل سکی، غالباً ان کے اس قبول عام ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کے دیوان کے متعدد قلمی نسخے کتب خانوں میں آج بھی موجود ہیں، معینی کتب خانہ اجمیر میں بھی دیوان جرأت کا ایک قلمی نسخہ نظر سے گزرا، سائز ۱۱×۷ انچ، ۲۲۴ صفحات۔ آغاز اس مطلع سے ہوتا ہے۔

نالہ موزوں سے مصرع آہ کا چسپاں ہوا
زور یہ پہونچا اپنا مطلع دیوان الٰہی ہوا

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

ظفر غوری

خیال

ابر کی سیج سے اٹھی ہے ابھی بنتِ قمر
چاندنی بن کے محبت کا فسوں پھیل گیا
سرسراہٹ ہے صبا میں ترے پیراہن کی
پیار کے لمس سے دل سویا ہوا جاگ اٹھا
جیسے چپ چاپ مرے پاس کوئی آ بیٹھے
جھک کے چہرے پہ کہے کچھ دبی سرگوشی میں
اور میں سوچ سے چونک اٹھوں کہ یہ تم تو نہیں

کریم اسعدی

دورِ بہار

یہ فضا یہ رنگ و نورِ گلستاں
ذرہ ذرہ پیکرِ حزن و الم
سہمے سہمے
غنچہ ہائے لالہ زار
اور گلہائے روش بے رنگ و بو
سینہ ہائے لالہ و گل
داغ داغ
یہ فغاں یہ نالہائے عندلیب
بادِ صرصر موجِ طوفاں
صبحِ غمگیں شامِ ظلمت
پابجولاں نور و نکہت تیرگی آزادہ رو
کیا اسی کا نام ہے دورِ بہار

غنی صدیقی

آبِ صحرا

وسعتِ زیست، یہ ویرانۂ بے برگ و گیاہ
کوئی غنچہ کوئی پتہ، کہیں نزدیک نہ دور
گردِ سوزاں و دواں، اُف یہ جہنم کی نگاہ
نہ کہیں سبزۂ خوابیدہ، نہ شبنم کا سرور
اے مرے سوکھتے دریا تجھے لے جاؤں کہاں
اس کڑی دھوپ سے، اس تپتی ہوئی ریت سے دور

اردو کی برف پگھل رہی ہے

اردو کے معاملہ نے اب برف پگھلانی شروع کردی ہے یہ خیال پیدا ہونے کا سبب یہ نہیں ہے کہ دلی یو۔پی یا کچھ اور علاقوں میں اردو کے حامیوں نے سرگرمیاں دکھانی شروع کردی ہیں۔ اور اردو کنونشن کا انعقاد کرکے یہ مطالبہ ٹھونک مارا ہے کہ دلی میں دوسری زبان کی حیثیت سے اردو کو تسلیم کیا جائے بلکہ اس لحاظ سے کہ گذشتہ چند ماہ میں لسانی جھگڑے پر جنوبی ہند میں خون خرابہ ہونے کے بعد ملک کے صاف ذہن لوگوں اور انصاف پسندوں کا ضمیر جاگ اٹھا ہے۔ اور انھیں نظر آنے لگا ہے کہ تقسیمِ وطن کے بعد اردو کو دیس نکالا دے کر حق و انصاف کا ہی خون نہیں کیا گیا بلکہ تنگ نظری کے رجحان کو بڑھاوا دیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی بار کئی انگریزی اخبارات نے اردو کی حمایت میں اپنی طاقت ور آواز بلند کی اور اس کے ساتھ ہی پارلیمنٹ کے ۴۰ ممبروں نے یہ مطالبہ کیا کہ کم از کم ۵ ریاستوں میں اردو کو علاقائی زبان قرار دیا جائے۔

اردو کے حامی ۱۸ سال سے متواتر انصاف کو پکارتے رہے لیکن ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی صدا ثابت ہوئی۔ اردو کے مطالبہ کو کبھی قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ سیاست نے اس معاملہ میں ایسی ٹانگ اڑائی کہ اردو کا نام لینا ہی نااہلی بن گیا۔ مرکزی سرکار کا رویہ اگرچہ بالعموم ہمدردانہ رہا، لیکن وہ ریاستی سرکاروں پر یہ زور ڈالنے سے اب تک قاصر رہی کہ اردو کے معاملہ میں کسی قسم کی تنگ نظری نہ برتی جائے۔

آزادی کے بعد ملک میں ایک مجبوری دور آیا تھا جس میں کئی طرح کے خیالات دب گئے کچھ اس لیے کہ گرماگرمی کے ماحول میں غیر جانبداری کے ساتھ ان پر دھیان دیئے جانے کا امکان نہیں تھا اور کچھ اس وجہ سے کہ رواداری کے احساس نے یہ اطمینان دلایا تھا کہ جب حالات اعتدال پر آجائیں گے تو مختلف کلچر اور رسوم و رواج کا لحاظ کرنا ہی پڑے گا۔

اردو کا مسئلہ محض ایک زبان کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ملک کے قومی اتحاد اور یکجہتی کا سوال بھی وابستہ ہے کیونکہ یکجہتی کے جذبات پروان چڑھیں گے۔ تو صرف اردو ہی نہیں بلکہ ہمارے ملک کی تمام اور زبانوں کے ساتھ لوگوں کو محبت اور عقیدت پیدا ہوگی۔ یہ احساس اب زیادہ جڑ پکڑتا جا رہا ہے کہ اردو کی حق تلفی کرکے تاریک خیالی اور تنگ دلی کو بڑھاوا دیا گیا اور اس طرح اردو والوں کو نقصان نہیں پہونچایا گیا۔ بلکہ ملک کی کچھ اور روایتی آزادی پر وار کیا گیا۔ اب جبکہ برف پگھل رہی ہے اور اتحاد کی مہم چل رہی ہے تو ایسے تمام لوگوں کو جو ملک کے سیکولر کردار کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اردو کی بقا اور ترقی کیلئے اپنی پوری طاقت لگا دینا چاہیے اس ضمن میں خیر اندیشوں کی مساعی بہت اہم ہوگی۔ کیونکہ ان کے نام پر ہی اردو کی جڑیں کاٹی گئی ہیں۔

(اداریہ اخبار بھوپال)

صفحہ ۵ سے آگے

ردیف الف کی غزلوں کی تعداد ۹۶ ہے۔ اس کے بعد ردیف یائے تک غزلوں کا سلسلہ ہے۔ آخر میں چند قطعات تاریخ ہیں:

تاریخ قید شدن نواب وزیر علی خاں بہادر

وہ نواب حاتم وزیر علی · پڑا بس میں بے بس بموجب نا گہاں
جرأت سے پوچھی میں تاریخ قید · کہا یہ ہوا شور محشر عیاں
۱۲۱۲

تاریخ وفات حسرت

خلاق مضامین جو رحلت فرمائے
ہر اہل سخن کو کیوں نہ حسرت رہ جائے
جرأت نے کہی یہ رو کے تاریخ وفات
یوں جاوے جہاں سے حسرت رہا جائے

نواب وزیر علی خاں، نواب آصف الدولہ کے پسر متبنیٰ تھے، ان کے بعد مسند نشین ہوئے لیکن جلد ہی قید ہوئے اور نواب سعادت علی خاں نے مسند وزارت سنبھالی، حسرت جرأت کے استاد تھے ان کی شاعرانہ شخصیت نہایت اہم ہے ان دو کے علاوہ "تاریخ وفات شاہ بچھڑا" بھی دیوان میں شامل ہے، مصرعہ تاریخ یہ ہے

بچھڑی سواری کیا یوں (کذا) بتا سے شاہ بچھڑ

نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کون بزرگ تھے بہر حال اس قطعہ پر دیوان کا اختتام ہوتا ہے۔ ترقیمہ کی عبارت اس طرح ہے۔

"نسخہ دیوان جرأت بتاریخ بیز دہم شہر شوال ۱۲۴۷ھ مطابق شب دو ماہ مارچ ۱۸۳۲ء موافق پنجم پوہی (کذا) جیٹھ ۱۲۳۹ فصلی سمبت ۱۸۸۹ بروز پنجشنبہ بوقت دو پہر در مقام ...... (؟) تحریر یافت الٰہ بس باقی ہوس۔ تمام شد۔"

کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ بہر حال نسخہ نہایت خوشخط خوب صورت ہے۔ اچھے کاغذ کا استعمال کیا گیا ہے اور ابھی تک اچھی حالت میں ہے۔

(۱۱) بستان آصفیہ۔ اس کتاب کا مصنف مانک راو وٹھل راو ہے کتاب مطبع انوار الاسلام حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۷ھ میں دو حصوں میں شایع ہوئی ہے۔ مصنف اگرچہ غیر معروف ہے لیکن اس کی یہ تصنیف حیدر آباد کے علمی ادبی اور تاریخی حالات کے سلسلے میں نہایت اہم اور قابل قدر ہے پہلے حصے میں خطابات اور دوسرے رسوم وغیرہ کا ذکر کیا ہے، دوسرے حصے میں حیدر آباد کے مطبوعہ اخبارات اور تصانیف کے علاوہ مشاہیر سے متعلق ضروری اطلاعات فراہم کی گئی ہیں دوسرے حصے سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

فہرست کتب رجسٹری شدہ۔

مہتاب داغ ۲۳۔ اسفندار ۱۳۰۲ ف
دیوان حبیب۔ سید محمد کاظم کنتوری ۷۔ بہمن ۱۳۱۱ ف
صنم خانہ عشق لطیف احمد مینائی ۲۰۔ تیر ۱۳۱۱ ف
گلزار شاہی (تاریخ دکن) غلام سرور لاہوری ۱۲۹۴ء نولکشور لکھنؤ (اردو)

مشہور لوگوں کی موت۔

۱۵ ذیحجہ ۱۲۷۳ ہجری کو نواب سیف الدولہ میر تفضل علی خاں میر بادشاہ کا انتقال ہوا۔ (۶۹۳)

۱۹ جمادی الثانی ۱۳۱۸ ہجری کو منشی مفتی امیر احمد امیر مینائی کا انتقال ہوا آپ ۱۶۔ شعبان ۱۲۴۴ کو پیدا ہوئے تھے اور حضرت مخدوم شاہ مینا کی اولاد میں تھے ۱۵۔ جمادی الاول ۱۳۱۸ کو بلدہ حیدر آباد میں تشریف لائے۔....... حضرت یوسف صاحب شریف صاحب کی درگاہ میں آپ کا مزار ہے۔ (صفحہ ۸۶)

۹۔ ذیحجہ ۱۳۲۲ کو نواب مرزا خاں داغ فصیح الملک دہلوی نے بعارضہ فالج انتقال کیا دوسرے روز تجہیز و تکفین عمل میں آئی حضرت یوسف صاحب شریف صاحب کی درگاہ میں دفن ہیں ۱۲۴۳ھ میں چاندنی چوک واقع دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۰۶ میں وارد حیدر آباد ہوئے ۷ ربیع الاول ۱۳۱۱ کو خطاب بہادری، ناظم یار جنگ، دبیر الدولہ، فصیح الملک، بلبل ہندوستان، جہاں استاد سے بتقریب سالگرہ حضور پرنور سرفراز کیے گئے۔ (صفحہ ۸۱)

مراسلات

ع قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
(یا قفسی رنگ؟)

قومی زبان کراچی ۲۳ مئی ۱۹۶۵ء میں جناب سراج احمد صاحب کا ایک مضمون ہے "غالب سخن ور کا ایک شعر" یعنی شعر ہذا :-

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ ؎ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے؟

صاحب موصوف کے کچھ شبہات ہیں، کچھ اعتراضات ہیں، اور تقاضا ہے کہ اس پر مزید روشنی ڈالی جائے،

ابتداً عرض ہے کہ شاعر خود نالہ کو خطاب کرتا ہے، کہ تم جانتے ہو کہ جگر سوختہ کی علامت اور نشانی کیا ہوتی ہے وہ تم ہی تو ہو۔ دیکھو نا! قمری، جو محض ایک کفِ خاکستر ہے (اس لیے کہ ایک مشتِ پر ہے اور رنگ خاکستری ہے) اور بلبل جو قفسِ رنگ ہے (اس لیے کہ گرفتارِ محبت ہو کر مجسم قفسِ رنگ بن گئی) ان دونوں کو یہ شہرت کیونکر حاصل ہوئی ان کی چہک ہی نے جو ان کا نالہ ہے ان کا بول بالا کیا، ان کی جگر سوختگی کا پتہ دیا، حتی کہ شاعری کی دنیا میں دھوم مچ گئی اور بچہ بچہ جان گیا کہ قمری نے یہ خاکستری لباس "سرو" کے عشق میں پہنا ہے اور اسی کی محبت میں یہ بھبوت تن پہ ملا ہے، اور بلبل نے یہ جامۂ رنگیں گل کی الفت میں زیب تن کیا ہے، بالفاظ دیگر ان کے جگر سوختہ کا نشان ان کے نالوں ہی سے ملا، ہر چند یہ اپنے عشق کو چھپائیں چھپ نہیں سکتا۔

شیخ بوصیری فرماتے ہیں :-

فکیف تنکر حبا بعد ما شہدت ؎ بہ علیک عدول الدمع والسقم
واثبت الوجد خطی عبرۃ وضنی ؎ مثل البہار علی خدیک والعنم

اے عاشق تو اپنی محبت و فریفتگی سے کیونکر انکار کر سکتا ہے جب کہ اشک گلگوں، اور زردیٔ رخسار کے دو شاہد عادل تجھ پر اس امر کی شہادت دے چکے،

ہمارے سراج احمد صاحب کو بلبل کے رنگ ہی رنگ ہو جانے پر استعجاب ہے، اور مجھے اس استعجاب پر استعجاب! قصیدہ بردہ کے مذکورہ بالا اشعار سے عاشق کے وجود میں سرخی اور زردی دونوں کو مشاہدہ فرما لیا تو اب فارسی کے زعفران زار کی بھی سیر کیجیے۔ کہتا ہے ؎

بیا بچہرۂ زردم کہ روئے زردم ہست ؎ بہ بید خندہ زناں گلفت زعفران ہست

پھر عشق کی وجہ تسمیہ بھی یہ بتاتے ہیں کہ عشقہ (عشق پیچاں یا لبلاب) کا رنگ زرد ہوتا ہے جب درخت میں لگ جائے وہ بھی زرد ہو جاتا ہے، اور پھر سرسبز نہیں ہوتا،

ہاں جناب محمد رفیع "جاوید نامہ" کا جو حوالہ دیا ہے اس میں اشارہ ہے اقسام عشاق کی طرف کہ ایک تو "واسوختہ" ہو جاتا ہے، اور دوسرا "رنگہا اندوختہ" کا مصداق بن جاتا ہے لیکن یہ رنگینیاں بھی مترادف ہیں بے رنگی کے، کیونکہ ؎

منزلِ عشق مکانے دیگر است ؎ ایں زمین و آسمانے دیگر است

اور ؎ غلامِ ہمت آنم کہ زیرِ چرخ کبود ؎ زہر چہ رنگِ تعلق پذیرد آزاد است

جناب موصوف کو سوختہ جگری سے بے رنگ ہو جانا تو تسلیم مگر "رنگہا اندوختہ" ناقابل تسلیم، موصوف اس امر کا لحاظ رکھیں کہ یہاں "رنگہا اندوختہ" بلحاظ "بے رنگی" کا مآل واحد ہے کیونکہ رنگ عاشق سب رنگوں سے جدا ہے گویا بے رنگ ہے اسی لیے فرمایا ع آں چناں رنگے کہ بے رنگی ازوست، اور "رنگہا اندوختہ" میں اشارہ ہے ان شیون و تجلیات کی جانب جو وجود عاشق کو مہبط انوار بنا دیتی ہیں،

ہاں موصوف نے "قفسی رنگ" سے جو اپنے نزدیک صحت کی اصلاح فرمائی ہے وہ تحریف و تصحیف کا حکم رکھتی ہے

(۱) اس لیے کہ عنابی، گلابی، نرگسی، بنفشئی، چمپئی تو رنگ ہیں مخصوص، کیا قفسی رنگ بھی کوئی رنگ ہے؟

(۲) اس وجہ سے کہ تقابل بھی اضافت پر دلالت کرتا ہے یعنی کفِ خاکستر و قفسِ رنگ (نہ کہ ترکیب توصیفی پر)

(۳) اس سبب سے کہ جاوید نامہ میں "بلبل از دو صد رنگہا اندوختہ" سے جب اس کا ترجمہ کر دیا گیا، تو پھر کیوں ایسی شرح کی جائے کہ اہل علم کو "تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ" کا جلوہ نظر آئے۔

(۴) اس دلیل سے کہ موصوف جس محظور سے بچ رہے تھے وہ اب بھی لازم آتا ہے، کیونکہ قمری اگر کفِ خاکستر ہونے کی وجہ سے ہم رنگ خاکستر ہے اور بلبل "قفسی رنگ" تو دونوں عاشق رنگین ہوئے بے رنگ کوئی بھی نہیں، حالانکہ موصوف اس "رنگ سے" بیزار ہیں۔

مولانا حسرت موہانی نے جو معنی تحریر فرمائے ہیں کہ سوائے نالہ کے جگر سوختہ کی نشانی کچھ نہیں وہ بالکل وہی ہیں جو مرزا غالب نے اپنے شاگرد رشید مولانا حالی کو بتائے کہ یہاں "اے" "بجز" کے معنی دے رہا ہے،

راقم نے مطلب کی تقریر شرح میں ایسی کر دی ہے کہ "بجز" کے معنی صاف نکل آتے ہیں، خلاصہ یہ کہ عاشق کمال فنائیت میں عشق ہی عشق رہ جاتا ہے، ہاں برقِ تجلی سے کوئی تو "واسوختہ" ہو جاتا ہے اور کرشمۂ جمال سے کوئی "گلہا اندوختہ" کا مصداق بن جاتا ہے۔

نالہ سے تخاطب میں بلاغت کا یہ نکتہ بھی ہے کہ شاعر اس مقام پر ہے جہاں سوائے نالہ کے نہ کوئی اس

کا رفیق شفیق ہے، اور وہ کوئی اجنبی نہیں ہے۔

دوسرا پہلو اس شعر کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں عاشق تو اس طرح واصل ہو گئے وائے بر ما کہ ناکہ کشی کی ایکلی سے

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

(محمد مصطفیٰ مدون لغت، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ)

واجد علی شاہ کی ایک مثنوی کے بارے میں

جان عالم واجد علی شاہ نے اپنی عیش کوشیوں کی داستان فارسی میں پری خانہ کے نام سے لکھی تھی جس کا ترجمہ فدا علی خنجر نے اور پھر تحسین سروری نے شایع کیا ہے۔ نجم الغنی خاں نے تاریخ اودھ میں ایک ایسی مثنوی کے چند اشعار نقل کیے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی پری خانے ہی کی منظوم شکل ہے۔ یہ مثنوی خود واجد علی شاہ کی ہے اس کے دو شعر یہاں نقل کرتا ہوں

تلذذ تھا اور کچھ نہ تھا زینہار — فقط اس سے تھا لطف دس کو
خوشی عیش و آرام آٹھوں پہر — نشاط اور عشرت تھی شام و سحر

اگر کسی صاحب کے علم میں اس مثنوی کے بارے میں معلوم ہو تو مجھے مطلع فرمائیں۔

(اکبر علی خاں رضا لائبریری رام پور)

کولجیٹ ماڈل اسکول بریلی اور اردو تعلیم

"بریلی کولجیٹ ماڈل اسکول بریلی" کے سلسلہ میں لسانی اقلیتوں کے اسسٹنٹ کمشنر کا خط جنرل سکریٹری کے نام (ہماری زبان مورخہ یکم جون ۱۹۶۵ء) نظر سے گذرا۔ اسکول کی منتظمہ نے کتنی مضحکہ خیز دلیل دی ہے کہ ریکارڈ میں یہ کہیں درج نہیں تھا کہ طلباء نے اردو پڑھنے کی خواہش ظاہر کی ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ریکارڈ میں ان کی خواہشات کا اندراج نہیں تھا تو درجہ چھ میں اردو کیوں پڑھائی گئی۔ اور پھر ساتویں میں انہیں طلباء کو سنسکرت پڑھنے کے لیے کیوں مجبور کیا گیا۔ کیا منتظمہ کو اپنے ریکارڈ میں اردو طلباء کی سنسکرت پڑھنے کی خواہشات کا اندراج مل گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسکول کی انتظامیہ کمیٹی نے اپنے جلسہ میں یہ طے کیا تھا کہ اردو نہ پڑھائی جائے سنسکرت پڑھائی جائے اور اس فیصلہ کی رو سے ان طلباء کو جنھوں نے چھٹے میں اردو پڑھی تھی ساتویں درجہ میں سنسکرت پڑھائی گئی۔ مقامی لوگوں کا خیال ہے کہ اگلے سال بھی انتظامیہ اردو نہ پڑھانے کا کوئی نہ کوئی جواز نکال لے گی، جب کہ اسی اسکول میں اردو پڑھانے کے لیے ماسٹر موجود ہیں۔

(اختر ایم۔ اے۔ گمیر شیخ (شوبلی))

اورینٹل کالج بمبئی کے سالانہ امتحانات

کالج کے سالانہ امتحانات اگست و ستمبر ۱۹۶۵ء سے جملہ سنٹروں میں بیک وقت شروع ہوں گے۔ شعبہ اردو کے امتحانات (۱) ادیب (۲) منشی (۳) منشی عالم (۴) منشی فاضل (۵) آنرز ان اردو وسط اگست سے شعبہ اسلامیات کے (۱) ابتدائی (۲) متعلم اسلامیات (۳) ماہر اسلامیات (۴) فاضل اسلامیات ۱۰ ستمبر ۱۹۶۵ء سے شروع ہوں گے۔ مقامی طلباء کے لیے مشقی کتب خانہ کا انتظام ہے۔ لڑکیوں سے نصف فیس لی جاتی ہے۔ دستور و نصاب منگوانے کا پتہ:

(پرنسپل اورینٹل کالج بھنڈی بازار بمبئی ۳)

مدھیہ پردیش کے شعراء توجہ فرمائیں

مدھیہ پردیش کے شعراء کا ایک تذکرہ کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے اس سلسلے میں فرداً فرداً تمام شعراء سے مراسلت امر محال ہے اس لیے اخباری اعلان کے ذریعہ صوبہ مدھیہ پردیش کے تمام شعراء سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مختصر حالات زندگی، نمونہ کلام اور پاسپورٹ سائز کی ایک تازہ تصویر مندرجہ ذیل پتہ پر ۳۰ جون ۱۹۶۵ء تک ارسال فرما کر ممنون فرمائیں اس کے بعد موصول ہونے والی تخلیقات مجموعہ میں شامل نہیں ہو سکیں گی کیونکہ جولائی میں اشاعت کا کام شروع کر دیا جائے گا۔

(محمد حسین خاں قمر، سکریٹری انجمن ترقی اردو ساگر، عظیم اللہ خاں ہاؤس، ساگر (ایم۔ پی))

"اردو" نام کے بارے میں کچھ نئی تحقیق

عام طور پر ہندوستانی محقق اور مستشرقین نے "اردو" کو ترکی زبان کا لفظ بتایا ہے۔ جس کے اصل معنی خیمے یا پڑاؤ کے ہیں۔ کچھ سال پہلے میں سوویت سرکار کی دعوت پر سوویت یونین گیا تھا۔ وہاں مجھے لفظ "اردو" پر تحقیق کا موقع ملا۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ یہ لفظ اصل میں چینی زبان کا ہے۔ یہ لفظ چین سے منگولیائی زبان سے ہوتا ہوا ترکی زبان میں آیا ہے۔ چینی زبان میں اس لفظ کا مطلب تقریباً خانہ بدوش ہے۔ آج بھی وانہگو دریا کے کنارے ایک جگہ کا نام "اوردوس" ہے۔

اگر کوئی اور صاحب اس پر مزید روشنی ڈالیں تو میں شکرگزار ہوں گا۔

(بھولا ناتھ تیواری)

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

انجمن ترقی اردو کے وفد کی وزیر اعلیٰ مغربی بنگال سے ملاقات

انجمن ترقی اردو (شاخ مغربی بنگال) کا ایک وفد وزیر اعلیٰ پی سی سین کی دعوت پر آج (۱۲ جون کو) ان کے دس بجے رائٹرس بلڈنگ میں زیر سرکردگی ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی ان سے ملا۔ وفد کے دیگر اراکین جناب احمد اللہ انصاری، جناب عبدالرؤف انصاری جناب خواجہ محمد یوسف، جناب شانتی رنجن بھٹاچاریہ، جناب ایم۔ اے مجید اور جناب غلام قادر خاں تھے۔ وزیر اعلیٰ نے نہایت تفصیل اور ہمدردی کے ساتھ ۴۵ منٹ تک اراکین وفد سے گفتگو فرمائی اور اردو کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار فرمایا۔ وزیر اعلیٰ کے سامنے اردو ہفتہ کے اختتامی جلسہ میں منظور شدہ تجاویز پیش کرتے ہوئے ان کی توجہ وفد نے خصوصیت کے ساتھ تجویز نمبر ۴ کی طرف دلائی جس میں مغربی بنگال سے یہ کہا گیا تھا کہ وزیر اعلیٰ آنجہانی ڈاکٹر بی سی رائے کے وعدے کا پاس کرتے ہوئے ان علاقوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی معقول آبادی ہے وہاں اردو کو ثانوی سرکاری زبان تسلیم کر لیا جائے۔ وزیر اعلیٰ نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہ اس ریاست میں اردو بولنے والوں کی تعداد خاصی ہے یہ فرمایا کہ میرے علم میں کوئی ایسا سب ڈویژن نہیں ہے جہاں کہ اردو بولنے والوں کی آبادی معقول کہی جا سکے۔ اگر اردو والوں کے اس مطالبے کو تسلیم کر لیا جائے تو دوسری بہت سی لسانی اقلیتیں یہی مطالبہ کرنے لگیں گی اور اس طرح حکومت چلانا ناممکن ہو جائے گا۔ نیپالی کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ دارجلنگ، کرشینگ اور کالیمپانگ کے تین سب ڈویژنوں میں نیپالی بولنے والوں کی آبادی ۵۰ فی صدی ہے۔ ایسی پوزیشن اردو کی کہیں نہیں ہے۔ جناب ایم۔ اے مجید نے بتایا کہ ریاستی حد بندی کمیشن نے اپنی رپورٹ کے باب ۱۳ دفعہ ۶۵۳ میں بتایا تھا کہ بہار کے ٹرانسفرڈ ایریا کی زبان (جس میں اسلام پور سب ڈویژن شامل ہے) اردو ہے اور اسے یہاں کی علاقائی زبان قرار دیا جائے۔ ڈاکٹر رائے نے بھی اس بات کا اطمینان دلایا تھا لیکن اب تک وہاں کے اردو والوں کو ان کے جائز حقوق نہیں دیے گئے جس کی وجہ سے وہاں کے عوام پریشان ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے یقین دلایا کہ میں اس بات کی انکوائری کروں گا۔ اراکین وفد نے بتایا کہ اس سلسلے میں اس گفتگو کو آخری نہ خیال کیا جائے بلکہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی تفصیلی رپورٹ ملتے ہی ہم آپ کی طرف پھر رجوع کریں گے۔

تجویز ۵ پر گفتگو کرتے ہوئے اراکین وفد نے بتایا کہ اسکولوں اور کالجوں میں داخلے کے سلسلے میں اردو داں طلبہ کو سخت دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ گرچہ بہت سے ایسے اسکول اور کالج یہاں ہیں جہاں پہلے اردو کا انتظام تھا لیکن اب نہیں ہے۔ اس سلسلے میں پریسیڈنسی کالج، سخاوت میموریل گرلس اسکول وغیرہ کے نام خصوصیت سے لیے گئے۔ وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ایسے اسکولوں اور کالجوں کی مفصل فہرست ہمیں دیجیے میں ان شکایات کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

تجویز ۶ پر گفتگو کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ میں حکم جاری کر دوں گا کہ جن ٹریننگ کالجوں میں اردو جاننے والے طلبا ہوں وہاں اردو کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے۔

تجویز ۷ پر گفتگو کرتے ہوئے وفد نے بتایا کہ گرچہ لیڈی برابورن کالج میں اردو کی لکچرار اور پروفیسر موجود ہیں لیکن لڑکیوں کی خواہش کے باوجود وہاں اردو میں بی۔ اے (آنرس) کا انتظام نہیں ہے۔ وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ اگر لڑکیاں چاہتی ہیں تو آنرس کا انتظام ضرور کیا جائے گا۔

تجویز ۸ کے متعلق وفد نے بتایا کہ پہلے اسکول فائنل میں سنسکرت، فارسی اور عربی کے بدلے اردو لینے کی اجازت تھی جو کہ اب ختم کر دی گئی ہے۔ وزیر اعلیٰ نے وعدہ کیا کہ اردو کو اپنی جگہ پر جلد بحال کر دیا جائے گا۔

تجویز ۹ جس میں آل انڈیا ریڈیو کلکتہ اسٹیشن سے اردو پروگرام نشر کیے جانے کی شکایت اور یہاں شعبۂ اردو قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا گفتگو کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اس کے متعلق ضروری کارروائی کریں گے۔

تجویز ۱۰ میں کلکتہ اور کلکتہ کے باہر ابتدائی اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا معقول انتظام نہ ہونے کی شکایت کی گئی تھی۔ وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ حکومت صرف دیہی علاقوں میں ابتدائی تعلیم کا انتظام کرتی ہے۔ شہروں میں یہ ذمہ داری کارپوریشنوں اور میونسپلٹیوں پر ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں ان کے ساتھ ہی گفتگو کی جائے۔ اگر دیہاتوں میں اس قسم کی شکایت ہو تو حکومت اس کا تدارک کرنے کے لیے تیار ہے۔

تجویز ۱۱ میں کلکتہ کارپوریشن کے اردو اسکولوں میں تعلیم کا مناسب انتظام اور ماحول نہ ہونے کا ذکر تھا۔ وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ اس کی ذمہ داری کارپوریشن پر ہے حکومت اس سلسلے میں کچھ کرنے سے مجبور ہے۔ آپ لوگ کارپوریشن پر اس سلسلے میں زور ڈالیں۔

تجویز ۱۲ میں یہ بتایا گیا تھا کہ ملازمت حاصل کرنے نیز اس میں ترقیاں پانے کے سلسلے میں اردو والوں کو زبان کی وجہ سے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو کہ دستور ہند کے منشا کے مطابق نہیں ہے۔ وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ اگر اس سلسلے میں کوئی خاص معاملہ بطور نمونہ پیش

کیا جائے تو وہ اس پر غور کریں گے۔

باقی تجویزیں چونکہ عام نوعیت کی تھیں اور حکومت مغربی بنگال سے متعلق نہیں تھیں اس لیے ان پر گفتگو نہیں ہوئی۔ تمام تجویزیں بہرحال حکومت کی واقفیت کے لیے قبل سے بھیج دی گئی تھیں۔

آخیر میں جنرل سکریٹری ایم۔ اے مجید صاحب نے وزیر اعلیٰ سے دریافت کیا کہ کانگریس اور وزیر اعلیٰ رائے کے حالیہ فیصلے کے مطابق سہ لسانی فارمولا جو طے پایا ہے اس کی وجہ سے ہماری ریاست کے اردو دانوں کی تعلیم میں جن دشواریوں کے پیدا ہونے کا خطرہ ہے اس کے لیے ہماری حکومت کیا سوچ رہی ہے۔ وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ منظور شدہ فارمولے کے تحت اردو دان طلبہ کو بنگلہ ہندی اور اردو پڑھنا پڑے گی۔ اس سوال کے جواب میں کہ انگریزی پڑھنے کا کیا ہوگا انھوں نے کہا کہ انگریزی چوتھی زبان ہوگی۔ چونکہ یہ اطلاع اخبارات میں شائع شدہ خبروں کے مطابق نہیں تھی اس لیے اراکین وفد نے کہا کہ مزید تفصیلات مہیا ہونے پر اس امر پر گفتگو کی جائے گی۔

آخیر میں ڈاکٹر زبیر صدیقی صاحب نے وزیر اعلیٰ کی ہمدردانہ گفتگو کا شکریہ ادا کیا اور بنگال کی روایتی اردو دوستی کے پیش نظر اس امید کا اظہار کیا کہ اردو کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں یہاں مہیا ہوں گی۔ انھوں نے وزیر اعلیٰ سے اپیل کی کہ وہ اردو کی بقا اور ترقی کے لیے جو کچھ بھی کر سکتے ہوں اس میں دریغ نہ کریں۔ وزیر اعلیٰ نے گرمجوشی کے ساتھ اس کا وعدہ فرمایا۔

(علقمہ شبلی جائنٹ سکریٹری)

میونسپل ہائی اسکولوں میں اردو والوں کا داخلہ بند

اردو کے مقابلہ میں مراٹھی اور گجراتی والوں کا اژدہام

بمبئی ۱۴؍جون۔ بمبئی میونسپل کارپوریشن کے محکمۂ تعلیم نے سال رواں سے میونسپل اسکولوں میں آٹھویں جماعت جاری کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے اس سلسلے میں تحقیقات کرنے پر یہ معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ پیر کے روز سے شہر کے مختلف اسکولوں میں آٹھویں جماعت کے داخلے کا کام شروع ہو گیا ہے۔

مراٹھی اور گجراتی میڈیم کے لیے کافی بچوں کو داخلہ فارم دیے گئے لیکن اردو سیکشن کے ہائی اسکولوں میں داخلہ لینے والے طلبہ اور طالبات کی تعداد کم ہے اردو میڈیم کے لیے جن اسکولوں میں آٹھویں جماعت جاری کی گئی ہے ان میں بھیا دیوی ڈونگری ناگپاڑہ، دادر، ماہم اور اندھیری وغیرہ کے میونسپل اسکول شامل ہیں۔ محکمۂ تعلیم کے ایک ترجمان نے بتایا ہے۔ ان تمام اسکولوں میں اپنے اپنے علاقہ کے میونسپل اردو اسکولوں کے طلبہ اور طالبات کا داخلہ کیا جائے گا۔

جو اس علاقہ کے قریب رہنے والا ہو۔ (ہندوستان)

انجمن ترقی اردو بمبئی کا سالانہ انتخاب

ڈاکٹر نشاط صاحب صدر اور مسٹر ایم ایم کالیہ جنرل سکریٹری

بمبئی ۱۰؍جون انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کا سالانہ انتخابی جلسہ ۵؍جون ۶۵ء کو صابو صدیق انسٹی ٹیوٹ میں منعقد ہوا صدارت کے فرائض ڈاکٹر ایس ایس نشاط نے ادا کیے۔

سب سے پہلے انجمن کے سکریٹری جناب اعجاز صدیقی صاحب نے انجمن کی کارگزاری کے بارے میں رپورٹ پیش کی جس میں انھوں نے انجمن کے مختلف کاموں کا تذکرہ کیا نیز فرمایا کہ ملک میں ہنگامی اور اضطراری کیفیات کے باعث انجمن کے جن کام ملتوی کرنے پڑے آپ نے فرمایا کہ انجمن کے سامنے وسیع پروگرام ہے۔

بعد ازاں انجمن کے خازن جناب شہاب الدین دسنوی نے ۱۹۶۴ء کے حسابات کا گوشوارہ پیش کیا۔ جنرل سکریٹری کی رپورٹ اور گوشوارہ اتفاق رائے سے منظور کر لیے گئے۔

سالانہ انتخابات

شاخ بمبئی کے لیے ۱۹۶۵ء کے عہدیداروں نیز ارکان مجلس منتظمہ کا انتخاب حسب ذیل ہوا صدر ڈاکٹر ایس ایس نشاط نائب صدر جناب اعجاز صدیقی نائب صدر، شام کرشن نگم صاحب جنرل سکریٹری جناب مدن موہن کالیہ صاحب۔

جوائنٹ سکریٹری جناب ابوبکر مرچنٹ صاحب (دوسرے جوائنٹ سکریٹری کا انتخاب ملتوی کیا گیا)

خازن :- جناب سید شہاب الدین صاحب دسنوی۔

ارکان منتظمہ

(۱) جناب محمود چھاپرا صاحب (۲) جناب شاہد علی صاحب (۳) جناب محمد صدیق صاحب۔ (۴) جناب مقصود صاحب (۵) جناب ذکر شریف صاحب (۶) جناب عبدالقادر دلوی صاحب (۷) جناب عبدالحئی صاحب (۸) جناب حیدر خاں صاحب (۹) جناب قیصر رتناگیری صاحب (۱۰) جناب اے اے خاں صاحب این۔ ای مرچنٹ اینڈ کمپنی کو چارٹرڈ آڈیٹر مقرر کیا گیا۔ (ہندوستان)

آل پارٹیز اردو کنونشن میرٹھ

میرٹھ کے حامیان اردو کے فیصلے کے مطابق میرٹھ شہر میں دو روزہ آل پارٹیز اتر پردیش اردو کنونشن بتاریخ ۲۶ ر ۲۷ ر جون ۱۹۶۵ء بروز سنیچر، اتوار۔ بمقام فیض عام انٹر کالج میرٹھ منعقد کیا جا رہا ہے۔

اس کنونشن کا مقصد یہ ہے کہ اردو کے تمام محب صوبہ کی تمام سیاسی و ادبی جماعتوں کے نمائندے پارلیمنٹری اداروں کے ارکان، اردو کے ممتاز ادبا اور اخبار نویس خواہ وہ کسی بھی سیاسی پارٹی سے منسلک ہوں اور کسی مذہب و مسلک سے ان کا تعلق ہو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں۔ غور و فکر اور تبادلۂ خیالات کے بعد کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کریں۔ جو اردو کو اس کی اپنی جنم بھومی یو۔ پی میں اس کا جائز حق دلا سکے۔

کنونشن کی صدارت جگ جیون رام ممبر پارلیمنٹ کریں گے۔

(مفتی محمد اشفاق جنرل سکریٹری آل پارٹیز اردو کنونشن میرٹھ)

شاخ نئی دہلی کی ایک ادبی نشست

۳۱ رمئی۔ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ نئی دہلی کی ایک ادبی نشست صدر شاخ بیگم انیس قدوائی ایم پی کی قیامگاہ پر منعقد ہوئی شاہ مصباح الدین شکیل جنرل سکریٹری کی تحریک اور بیگم حمیدہ سلطان کی تائید کے بعد جناب مالک رام صاحب نے صدارت کی جنرل سکریٹری نے مالک رام صاحب کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس ادبی نشست کے مہمان خصوصی کو تعارف کرایا۔ جناب آل عبا "آدارہ" کا تعارف کراتے ہوئے شکیل صاحب نے کہا کہ جناب آدارہ ان بزرگ انشا پردازوں میں سے ہیں جن کا اپنا ایک خاص طرز ہے۔ ان کے خاکوں میں زبان و بیان کی چاشنی اور روزمرہ و محاورہ کا لطف ملتا ہے۔

دوسرے مہمان شاعر زبیر رضوی صاحب کے بارے میں انھوں نے کہا کہ وہ نوجوان نسل کے شعرا میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ یوں تو وہ نظمیں بھی لکھتے ہیں اور غزلیں بھی لیکن ان کے گیتوں اور دوہوں میں ایک عجیب بانکپن اور رنگ و رس ہوتا ہے ابھی ابھی ان کا مجموعہ کلام "لہر لہر ندیا گہری" زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا ہے۔ اس کی اشاعت پر انھیں ادیبوں اور شاعروں کی جانب سے مبارکباد پیش کی گئی۔

تیسرے مہمان جناب کوثر چاندپوری ملک کے چوٹی کے افسانہ نگاروں میں سے ایک ہیں۔ وہ اب مستقل قیام کے لیے بھوپال سے دلی آئے ہیں۔ دہلی کے ادبی حلقے ان کی آمد کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

جناب آدارہ نے اپنے دو خاکوں "وہ رات" اور "یہ مونچھیں کس کی ہیں؟" سے حاضرین کو محظوظ کیا۔

جناب زبیر رضوی نے ایک نظم "ملاقات" ایک غزل اور چند گیت رنگ دوہے پیش کیے جناب کوثر چاندپوری نے اپنی کہانی "بیربہٹی" سنائی جسے بے حد پسند کیا گیا۔ مہمان ادیب و شعرا کے بعد جناب نریش کمار شاد نے اپنی ایک نظم "ہمارا بچہ سہی" سید حامد صاحب اور پنڈت گلزار دہلوی نے اپنی غزلوں سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

(مصباح الدین شکیل سکریٹری)

انجمن ترقی اردو جودھپور کے زیر اہتمام مشاعرہ

۵ رمئی ۱۹۶۵ء انجمن ترقی اردو جودھپور کے زیر اہتمام بہ محکمۂ نشر و اشاعت کے تعاون سے پاکستانی جارحیت کے خلاف وحدت و ہند کی حفاظت کے موضوع پر ایک مشاعرہ میونسپل ہال جودھپور میں زیر صدارت شری کمیت سنگھ جی پرکھ ضلع پرمشد جودھپور منعقد ہوا۔ اس مشاعرہ کا انتظام محکمۂ نشر و اشاعت شہر جودھپور نے نہایت خوش اسلوبی سے کیا تھا۔

معززین شہر و شعراء و سامعین کی کثیر تعداد نے اس بزم مشاعرہ میں شرکت فرمائی۔ سب سے پہلے جناب وحید اللہ خاں صاحب وحید، سکریٹری انجمن ہذا نے مندرجہ بالا عنوانات پر ایک بصیرت افروز تقریر فرماتے ہوئے ان شعرائے قدیم و جدید کے چیدہ چیدہ اشعار پڑھ کر سنائے جن کے کلام بیغ نے بزم و رزم کے موقع پر یکجہتی اور دشمنوں کے مقابلہ میں اولوالعزمی اور ایکتا نیز جوانان ملک کے دلوں میں صحیح ولولہ و جوش و ہمت پیدا کی ہے۔

شری کمیت سنگھ جی نے بھی اپنی صدارتی تقریر میں قومی یکجہتی اور ایکتا پر زور دیا۔

صدر کی تقریر کے بعد بیرونی اور مقامی شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ (وحید اللہ خاں سکریٹری انجمن ترقی اردو۔ جودھپور)

شاخ کندلواڑی (مہاراشٹر) کے سالانہ انتخاب

ہماری انجمن کے سالانہ انتخابات ۱۹ رمئی ۶۵ء کو ہوئے اور مقابلہ کثرت رائے سے منتخب ہوئے۔

صدر [illegible] صاحب، نائب صدر محمد عبدالمجید صاحب، جنرل سکریٹری سید منظور علی صاحب، جوائنٹ سکریٹری، شیخ حیدر علی صاحب، خازن محمد اسحاق صاحب۔ ورکنگ کمیٹی کے سالانہ انتخابی تشکیل دی گئی جس کے اراکین حسب ذیل ہیں۔ ۱۔ سید شجاعت علی صاحب ۲۔ سید احمد علی صاحب ۳۔ [illegible] صاحب ۴۔ [illegible] صاحب ۵۔ [illegible] صاحب ۶۔ [illegible] صاحب ۷۔ [illegible] صاحب ۸۔ ڈاکٹر سید [illegible] صاحب ۹۔ امیر الدین صاحب [illegible] ۱۰۔ سید [illegible] صاحب ۱۱۔ [illegible] صاحب ۱۲۔ گلشن [illegible] صاحب کامریڈ۔

(سید منظور علی جنرل سکریٹری)

تبصرہ

ڈاکٹر اعجاز حسین

اردو مثنوی کا ارتقا (شمالی ہند میں)

مصنف ڈاکٹر سید محمد عقیل، شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی
ضخامت ۴۴۴ صفحات

اردو کے اصناف سخن میں، صنف مثنوی بعض خصوصیات کے لحاظ سے جملہ اصناف پر فوقیت رکھتی ہے، مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس صنف سخن پر ناقدانہ انداز سے بہت کم لکھا گیا ہے حالانکہ ضخامت کے لحاظ سے بھی مثنوی کافی وسیع اور توجہ طلب ہے۔ ڈاکٹر عقیل نے یہ کتاب لکھ کر اس کمی کو بڑی حد تک پوری کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثنوی کی تعریف، تکنیک، موضوع وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد دوسرے باب میں تاریخ کے سلسلے میں فارسی مثنویوں کا بھی جائزہ لیا ہے۔ پھر ایک وسیع النظر ناقد کی طرح اردو میں اس صنف شاعری کا ہندوستان میں پس منظر اس طرح سے پیش کیا ہے کہ سماجی اور تاریخی حالات کی روشنی میں اردو کے مثنوی نگاروں کی نفسیات کا بھی بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ اردو مثنویوں کے ضمن میں مصنف نے بڑی محنت و جستجو سے کام لیا ہے۔ شاید ہی کوئی اہم مثنوی ایسی ہو جس کا ذکر نہ آیا ہو۔ تمام اہم مثنویوں کی آخر میں ایک طویل فہرست بھی دے دی گئی ہے۔ ہر ایک مثنوی کی خصوصیات، ادبی و فنی خوبی و خرابی پر ناقدانہ نظر ڈال کر موضوع کو بلند کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر عقیل کے یہاں تنقید اور تحقیق کی لہریں مل کر چلتی ہیں جس میں سیاسی اور سماجی جائزہ شامل ہو کر فن کار اور فن کی صحیح تصویر پیش کر دیتا ہے۔ چنانچہ دبستان لکھنؤ کی مثنویوں پر تبصرہ شروع کرنے سے پہلے لکھنؤ کا سیاسی اور سماجی پس منظر واضح سے بیان کر دیا گیا ہے جس کی روشنی میں لکھنؤ کے مثنوی نگاروں کی ذہنیت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے اور اس نتیجہ پر پہونچنے میں دیر نہیں لگتی کہ اس دور کے مذاق و معیار میں فرق کیوں آیا۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس وقت کا کارنامہ بھی حقیقت پر مبنی تھا خواہ وہ طرز معاشرت عام معیار زندگی سے کسی قدر الگ کیوں نہ رہا ہو۔

کتاب کا چوتھا باب ہمارے نزدیک مثنوی کے سلسلہ میں جتنا اہم تھا اتنا ہی مشکل بھی۔ مگر خوشی اس کی ہے کہ مصنف نے قلم سنبھال کر اس باب کو مکمل کیا ہے۔ یہ باب دور جدید سے شروع ہوتا ہے جو نہ صرف ادب کی دنیا میں اہم تھا بلکہ ہندوستان کے لیے بھی ایک ایسا موڑ تھا جہاں کاروان زندگی نے عہد ماضی کی تمدنی شاہراہ سے کنارہ کشی کر کے ایک نئے میدان میں قدم رکھا تھا۔ ہمارے ادبی فنکاروں کو بھی نئی زمین پر نیا آسمان بنانے کی فکر ہوئی تھی۔ اسی دور سے تمام ادب پر نئے رجحانات کا پرتو نظر آنے لگا تھا۔ ادب کو نئی زندگی سے ہم آہنگ کرنے کا جذبہ بیدار ہو گیا تھا حقیقت پسندی و وسیع النظری کی طرف ذہن کا جھکاؤ بڑھ چلا تھا۔ چنانچہ اور دوسرے فنکاروں کی طرح مثنوی میں بھی نئے خیالات یا انداز فکر کی کارفرمائی ہوئی۔ مصنف نے اس باب میں ذہنی و معاشی تغیرات کا بے لوث جائزہ لے کر تاریخ کے آئینہ میں اس دور کی مثنویوں پر تبصرہ کیا ہے مثنوی نگاروں کے کارناموں پر ناقدانہ انداز سے نظر ڈال کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ یہاں ان کی رائے سے کہیں کہیں اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن ان کے دلائل کو بے بنیاد یا قیاس آرائی کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

جیسے جیسے بحث آگے بڑھی ہے مصنف کا ناقدانہ شعور تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ پانچویں باب سے آٹھویں باب تک صنف مثنوی کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جن سے مثنوی اور مثنوی نگاروں کی اہمیت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔ ان باتوں پر بحث ہے جن کا تعلق فن و فکر سے کم ہے بلکہ ان اسباب و علل کا ذکر ہے جن کی آغوش میں یہ صنف شاعری پروان چڑھی جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری مثنویاں اپنے سماج اور ماحول کی پروردہ ہیں ہمارے شعرا نے وقت کی پکار سے متاثر ہو کر اس صنف کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے، اس صنف میں اگر مافوق الفطرت عناصر آگئے ہیں تو وہ بھی اپنے سماج کے اعتقادات اور جذبات کا پرتو لیئے ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی بنیاد بھی قیاس آرائی پر نہیں بلکہ حقائق و واقعات پر مبنی ہے یہ اور بات ہے کہ عقل اور سائنس کی روشنی میں یہ بنیادیں بے بنیاد نظر آئیں مگر شعرا سے نہ فلسفی ہونے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کو سائنس کا ماہر سمجھا جا سکتا ہے۔ شاعر اپنی فضا سے متاثر ہو کر جذبات قلم بند کرنے کا عادی ہوتا ہے خواہ کوئی پسند کرے یا نہ کرے۔

ہمارے نزدیک ڈاکٹر عقیل کی یہ ادبی کاوش اہل نظر کے لیے دلچسپ اور پر از معلومات کارنامہ ثابت ہوگی اور یہ محسوس کرا دے گی کہ مصنف نے محنت و تحقیق سے کام لے کر اردو کی ایک قابل قدر صنف شاعری کی خصوصیات کو منظر عام پر لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

ملنے کا پتہ درج نہیں غالباً مصنف سے کتاب مل سکے گی۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر شمیم الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا